# جدید اردو نظم پر دیگر زبانوں کے اثرات
## (عالمی و علاقائی پس منظر میں)

ڈاکٹر شمع افروز☆

# Impact of local and International languages on modern Urdu poem

Dr. Shama Afroze

**Abstract:**

The modern Urdu poetry is began to start after 1857, in the impact of English literature especially and then other literatures of different languages of the world .Urdu poets have accepted the profound impact of the globule languages and regional languages also that's why our modern Urdu poetry is use to showing and presenting a large number shades of meanings and civilizations, cultures, different kinds of time periods and regions and It has sparked a knew sprit into the Urdu literature . In order to assess the impact of other languages on Urdu, it is important to study the evolution of Urdu language. They all are introduced many new styles in the modern Urdu poetry and Urdu poems inhabit a new world of words.

**Key words:**

Modren, Urdu poem, language, English words, local words, local perspective.

**کلیدی الفاظ:**

جدید اردو نظم، زبان، علاقائی پس منظر، انگریزی الفاظ، خاص الفاظ

جدید اردو نظم کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہوا۔ اردو نظم مجموعی اعتبار سے تقریباً ۲۰۰ سال کی مدت رکھتی ہے۔ اس میں قدیم دکن، شمالی ہند اور برِ صغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد جدید اردو نظم کی روایت بھی شامل ہے۔ یہ اثرات اردو کی سرشت کے عین مطابق ہے کیونکہ اردو خود آریائی خاندان کے علاوہ برِ صغیر اور دنیا کی دیگر زبانوں کے اثرات سے مزین ہے۔

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

جب کسی زبان پر کسی دوسری زبان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں تو اس زبان کے صرف الفاظ، قواعد و صرف و نحو، محاورات اور ضرب المثل یا ضرب الامثال ہی نہیں بلکہ اس کے مختلف اصناف بھی قبول کئے جاتے ہیں اس اعتبار سے جب قلی قطب شاہ، نظیر اکبر آبادی اور اردو کے مختلف شعرا جنہوں نے نظم گوئی کے لیے قصیدہ، مثنوی جیسی اصناف کو اختیار کیا تو ان کے اسلوب اور موضوعات نیز اجزائے ترکیبی کو بھی تقلید اور تخلیق کی مثال بنالیا۔

جدید اردو نظم نے عالمی اور اپنی علاقائی زبانوں کے گہرے اثرات قبول کئے اور اُن کے ادب میں مشتمل شعری اصناف کو نہ صرف اُس کی ہیئتی سطح پر بلکہ اس کے مزاج، آہنگ، ردھم، غنایت، استعاراتی کیفیات، حسنِ اظہار، رنگ اظہار، رمز و کنایئے کے خصوصی زاویے کو بھی اپنانے کی کوشش کی۔ اس کی ذیل میں فارسی کی روایت کے ساتھ ہندی کی روایت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انگریزی زبان و ادب کے اثرات نے جدید اردو نظم میں نئی روح پھونکی اور جاپانی و چینی ادب کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں کہ جس پر دوسری زبانوں کے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں جن کی طویل تاریخ ہے۔ ان اثرات میں سب سے پہلا مرحلہ غیر ملکی زبانوں کی اردو میں تراجم کی ہیں جن میں نثر اور نظم دونوں طرح کی ہیں جہاں تک اردو کے اپنے لسانی پس منظر اور مزاج کا تعلق ہے اس میں پانچ زبانوں کے الفاظ ان کے صرف و نحو کے اصولوں کے ساتھ شامل ہیں عربی، فارسی، ہندی، ترکی، اور انگریزی۔

اس کے علاوہ برِ صغیر پر مختصر عرصے کے لیے ہی سہی لیکن پرتگالی، وَلندیزی اور فرانسیسی کے بھی کچھ الفاظ اردو زبان کا حصہ رہے ہیں۔

جن افراد نے مشرق و مغربی کے مختلف علاقوں میں وقت گزارا یا تعلیم حاصل کی انہوں نے مشرقی زبانوں میں جاپانی اور چینی زبانوں کی تحصیل پر زیادہ توجہ دی۔ اس کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، روسی اور ہسپانوی زبان کے اثرات بھی تھے جو انفرادی سطح پر اردو کے شعری سرمائے میں داخل ہوئے عالمی اور علاقائی زبانوں کے اثرات اردو ادب یا تخلیقی سطح پر بھی مرتب ہوئے جن سے جدید اردو نظم مبرّا نہیں ہے۔

جدید اردو نظم میں دیگر زبانوں کا جائزہ لینے کے لیے اردو زبان کے ارتقاء کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بنیادی طور پر ساتویں صدی عیسوی کے بعد ہندوستان میں مسلمان فاتحین کی

آمد کے نتیجے میں عربی، فارسی اور ترکی کے اثرات وسیع پیمانے پر مرتب ہوئے جو آج تک اردو زبان کے اہم اجزا کے طور پر موجود ہیں اور زیرِ استعمال بھی، لہٰذا اگر ان زبانوں کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو بجائے خود ایک تحقیقی مقالے پر منتج ہو سکتا ہے۔

جدید اردو نظم میں مستعمل اصنافِ شاعری جن میں قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، قطعہ وغیرہ میں مروجہ خیال و مضامین اور زبان و بیان پر خصوصی توجہ دی۔ جو جدید اردو نظم کے لیے ایک بڑی تبدیلی کا باعث بنی۔ انگریزی زبان کے الفاظ اردو میں تیزی سے شامل ہوئے تو ان کے ادب سے شعری اصناف بھی جدید ادو نظم میں اپنی جگہ بنانے لگے۔ اسی طرح جاپانی زبان و ادب کے، چینی زبان و ادب کے فرانسیسی زبان وادب کے۔ وغیرہ وغیرہ۔

علاقائی میں سندھی زبان سے نہ صرف بعض الفاظ جدید اردو نظم میں آئے ہیں جیسے سائیں، وڈیرہ، کاروکاری، ہاری، وحی، وغیرہ بلکہ وائی، کافی جیسی اصنافِ شاعری وغیرہ بھی جدید نظم کا حصہ بن چکی ہیں۔ پنجابی سے تو بے شمار الفاظ جدید اردو نظم میں داخل ہو گئے ہیں لیکنا صنافِ سخن میں ماہیا، بولیاں، سی حرفی وغیرہ۔ جہاں تک پشتو زبان کا تعلق ہے اس کے خاصے الفاظ اردو میں مستعمل ہیں اور اصنافِ شاعری میں ٹپہ اور چہار بیت پشتو ہی کے زیرِ اثر لکھے گئے ہیں۔ بلوچی زبان نسبتاً پاکستان کی دوسری زبانوں سے مختلف ہے اگرچہ اس پر فارسی زبان کے اثرات بہت گہرے اور نمایاں ہیں۔ غیر بلوچ شعرا نے بلوچی اور صنفی اثرات کو زیادہ قبول نہیں کیا لیکن وہ بلوچی شاعر جو اردو میں بھی لکھتے ہیں مثلاً عطا شاد، عین سلام، سعید گوہر، رب نواز مائل اور دانیال طریر وغیرہ۔ اُن کا کلام یقیناً بلوچی زبان کے اثرات کی مکمل نشاندہی کرتا ہے۔

اب ہم ہر زبان کے الگ الگ اثرات کا جائزہ لے کر ان شعرا کی تخلیقات کا تجزیہ کریں گے جو جدید اردو نظم کی روایت کا حصہ ہوتے ہوئے دیگر زبانوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے آخری تقریباً دو سے تین دہائیوں کی شاعری میں انگریزی الفاظ اپنے عصر کے خط و خال کو عریاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالیؔ، شبلیؔ، اسمٰعیل میرٹھیؔ، نادرؔ کاکوروی، شررؔ، نظم طباطبائیؔ اور بالخصوص اکبرؔ الہ آبادی نے انگریزی الفاظ کو انگریزی کلچر کا گہرا طنز اور اپنی تہذیب کی خستہ حالی کے ساتھ معاشرتی انحطاط کی صورت میں پیش کیا۔ انگریزی زبان کا عمل دخل اور روزمرہ میں اس کا

بڑھتا ہوا استعمال تھا۔ لہٰذا اس عہد کی نظموں میں زبان کی یہ تبدیلی خصوصی طور پر محسوس کی جاسکتی ہے اور اس کا اثر جدید شعرائے اردو نے قبول بھی کیا۔

انگریزی زبان کے الفاظ کے استعمال سے اپنا شعری اسلوب اور مزاج وضع کرنے میں اکبرؔ کو خصوصیت حاصل رہی ہے، مثلاً:

اپنی اسکولی بہو پر ناز ہے اُن کو بہت
کمپ میں ناچے کسی دن ان کی پوتی تو سہی (۱)
(اکبرؔ)

اس فن پارہ میں اکبرؔ نے انگریزی لفظ اسکول (School) جو اسم ہے اردو قواعد کے تحت صفاتِ نسبتی بنالیا ہے یعنی اسکول سے ''اسکولی بہو'' اکبرؔ کے ان الفاظ سے انگریزی کلچر کے اثرات، اور اُس کو قبول کرنے والے اور رد کرنے والے کی سوچ بھی سامنے آرہی ہے اکبرؔ نے ''کمپ'' کے لفظ سے مستقبل کی بد تہذیبی کے آثار اور امکانات کو واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے جن کو اکبر مشرقی تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی طرح کلرک کی کلرکی:

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا (۲)
(اکبرؔ)

اس فن پارہ میں ''ڈبل روٹی'' مغربی کلچر یا انگریز تناول کرتے ہیں اور ان کی تقلید میں ہندوستانی بھی شوق فرمانے لگتے ہیں لہٰذا اکبرؔ نے انگریزی کھانا اور انگریزوں کی فراہم کردہ نوکری کرنے والوں کو انگریزی الفاظ کے ذریعے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ''کھا ڈبل روٹی کلکری کر خوشی سے پھول جا'' اکبرؔ کا یہ قطعہ ملاحظہ کیجئے:

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
لا اللہ اور قل ھو اللہ اکبر کے پیغمبر بھی چپ
بحث اس کی ذات میں کیوں کررہا ہے فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اُس پر بھی چپ (۳)

نیچر (Nature) فطرت

ایک اور قطعہ ملاحظہ کیجئے:

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش فیم
سرکار کی نوکری کو ہر گز نہ کر ایم
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیل علوم
بُت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم (۴)

فیم (Fame) شہرت
ایم (Aim) مقصد
میم (Mame) خاتون

انگریزی الفاظ کو اکبرؔ نے قافیے کے طور پر استعمال کیا۔ اس کی وجہ سے زبان کی چاشنی بدل گئی ہے زیادہ تر نوجوان طبقہ سرکاری نوکری حاصل کرنے کے لیے انگریزی تعلیم حاصل کرتا تھا جو کہ ان کی کلرکی کے کام آ سکے۔ علم وحکمت اور دانشمندی کو سرکاری نوکری آہستہ آہستہ ختم کر دیتی ہے اکبرؔ نے انگریزی الفاظ کے ذریعے اردو نظم میں ایک نئی کیفیت پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزل عدم اے اکبرؔ
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں (۵)

"ریل" انگریزی لفظ ہے اور انگریزوں نے آمدورفت کے لیے تیز رفتار سواری ہندوستان میں چلائی تھی انگریزوں کی ہندوستان میں آمد اور اپنی ایجاد کردہ جدید زندگی کی سہولیات سے ہندوستان میں بھی ترجیحاتِ زندگی میں ایک طرح سے تبدیلی لا رہے تھے جس کے اثرات ہمیں اس عہد کی نظموں میں بھی نظر آتے ہیں ریل گاڑی ٹریک یا پٹڑی پر چلتی ہے۔ اسی پس منظر میں اکبرؔ نے یہ قطعہ کہا ہے:

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
وہ فونو گراف کی طرف گاتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال

انسان یونہی ترقیاں پاتے ہیں (۶)

"فونوگراف" دراصل آواز ریکارڈ کرنے کی مشین ہے جس کو بار بار سنا جا سکتا ہے جو اکبرؔ کے عہد میں یقیناً جدید سائنسی مشین تھی جس کو اکبرؔ نے تقلیدی اذہان اور نقل پرستی کی صفاتِ مشترک کے سبب ایسے لوگوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

اکبرؔ کے کلام میں انگریزی زبان کے الفاظ کا استعمال قدم قدم پر ملتا ہے۔ اکبرؔ نے انگریزی ادب کے شعری اصناف کو تو اختیار نہیں کیا لیکن ان کی ایجاد کردہ اشیاء ان کی طرزِ زندگی، ان کے قائم کردہ ادارے، ہندوستانیوں کو فراہم کردہ سہولیات اور تعلیم وغیرہ کی حقیقت کو روزمرّہ میں داخل ہو جانے والے انگریزی الفاظ میں ہی پیش کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اردو میں ان کے مترادف الفاظ میسر تھے انگلینڈ آپریش، بٹن، پوپ، بائیسکل، بسکٹ، اسکول، اسپیکر، پروفیسر، پارک، پریڈ، ٹریننگ کالج، سگریٹ، فریخچ، کلکٹر، لاٹ صاحب، رپٹ، سول سروس، کلرک، کارڈ، کانگریسی، گراموفون لیکچر، فیس، کیک، کمیشن، گورنمنٹ، لمپ، مارشل لا، ہوم رول، ان کے علاوہ آنر، آنرایبل، اولڈ گرل، ایروپلین، انڈر، اسکپ (Skip)، ایم(Aim)، الکٹرک لائٹ، بوٹ(Boot)، بیوٹی(Beauty)، پولیٹیکل، تھینکس، تھینکیو(Thank you)، ٹیچر، ٹرن، ڈرس(ڈریس،Dress or)، ڈنر (Dinner)، فیم(Fame)، فارمولا، فادر(Father) گولڈ(Gold)، کورس، میوزیکل، کالج، لیڈی، سٹی(City) لٹریری (Litterary)، نیچرل، نون(Noon)، ٹریفک، سلف رسپیکٹ، ہیٹ (Hat) وغیرہ وغیرہ۔

اکبرؔ الٰہ آبادی کے مثل اردو کا کوئی دوسرا شاعر نظر نہیں آتا جس نے اس درجے انگریزی زبان کے الفاظ کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہو، جب کہ انشاء اللہ خان انشاء نے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا لیکن اس طور اور اس درجے نہیں۔

اس عہد سے تعلق رکھنے والے جدید شاعر حالیؔ کی جدید اردو نظموں پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کی جدید اردو نظمیں انگریزی الفاظ سے یکسر بے گانی نظر نہیں آتیں۔

حالیؔ اردو شاعری میں سادگی، اصلیت اور جوش کے خواہاں تھے۔ اُردو شاعری کی زبان و بیان پر حالیؔ نے خصوصی توجہ دی اور اس کا احساس دیگر شعراء کو بھی دلانے کی کوشش کی۔ عالمی زبان و ادب کی طرف رجوع کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ روزمرہ کی زبان اختیار کرنے

اور زندگی کے مسائل کی نشاندہی اور اس کی حکمت کو آسان لفظوں اور عام فہم میں بیان کرنے کو بہتر قرار دیا۔ غرض شاعری سے بھی معاشرے کی اصلاح کا کام لیا جاسکتا ہے۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' اپنی نوعیت کی اور اردو تنقید کی پہلی باقاعدہ کتاب تحریر کی۔ جس سے اردو تنقید اب بھی استفادہ کرتی ہے۔

حالیؔ نے اگرچہ انگریزی ادب سے ان کے خیالات، موضوعات، سخنوری کی نئی راہ اجاگر کرنے کی سعی کی لیکن ان کی شعری اصناف اور ہیئت کے تجربے نہیں کئے۔ حالیؔ نے مشرقی ہیئتیا اس عہد میں مروجہ اصنافِ سخن، جس میں مثنوی کو ہر طرح کے خیالات کے اظہار کے لیے زیادہ موزوں سمجھا۔ اس میں سادہ اور عام فہم اندازِ بیان اختیار کرنے کی کوشش کی۔ روزمرہ کی زبان میں انگریزی زبان کے الفاظ داخل ہوچکے تھے لہٰذا حالیؔ نے اسی حد تک اپنی نظموں میں انگریزی کے الفاظ استعمال کئے جس کی مثالیں ان کے کلام سے دی جارہی ہیں:

نظم ''حبِ وطن'' کے یہ دو مصرعے ملاحظہ کیجئے

ہسٹری ان کی اور جوگرافی
سات پردوں میں منہ دیے ہے پڑی (۷)

اس مصرعے میں ہسٹری (History) اور جوگرافی (Geogrophy) انگریزی زبان کے الفاظ ہیں جو معاشرے میں روزمرہ کی زبان سے تعلق رکھتے تھے۔ حالانکہ ان انگریزی الفاظ کے مترادف اردو الفاظ بھی موجود ہیں یعنی تاریخ اور جغرافیہ۔

''نظم ''تعصب و انصاف''

تھی وہاں حق کی یہی ڈیفینیشن
منہ سے جو اپنے نکل جائے سخن (۸)

پہلے مصرعے میں لفظ ڈیفینیشن (Deffination) انگریزی لفظ ہے جس کے اردو معنی ''تعریف'' کے ہیں۔

صلحا لمپ جلاتے تھے وہاں
اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں (۹)

لفظ لمپ (Lamp) انگریزی کا ہے۔ لالٹین کی طرح کی شئے جس سے روشنی ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے الفاظ مثلاً (Home) ہوم، نیچر، ڈیوٹی، لائف، اسپیکنگ، اسپیچ، لنچ، ڈنر، نیشن (Nation)، گورنمنٹ وغیرہ انگریز الفاظ ملتے ہیں۔

محمد حسین آزادؔ جدید اردو نظم کے فروغ میں اہم اور انجمنِ پنجاب کے روحِ رواں کی حیثیت رکھتے تھے ان کی شاعری میں فارسی الفاظ یقیناً زیادہ ملتے ہیں لیکن انگریزی الفاظ سے ان کی جدید نظمیں مبرّا نہیں ہیں مگر بہت کم ہیں۔ مثلاً

ان کی ایک نظم کا نام ''مُبارک باد جشن جوبلی'' (۱۰) ''جوبلی'' انگریزی لفظ ہے جو انگریزی کلچر کی وجہ سے اردو میں شامل ہوا۔

شبلیؔ نعمانی بھی اِسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نظموں کو جہاں نئے موضوعات و خیالات کے تحت اہمیت حاصل ہے۔ وہاں روزمرہ زبان میں شامل انگریزی الفاظ بھی ملتے ہیں مثلاً نظم قومی مسدس ''تماشائے عبرت''

ہائے کیا سین ہے یہ بھی کہ گروہ شرفا
صاحب افسر اور رنگ تھے جن کے آبا
قوم کے عقدہ مشکل کے ہیں جو عقدہ کشا
ایکٹر بن کے وہ اسٹیج پہ ہیں جلوہ نما
قوم کے خواب پریشاں کی یہ تعبیریں ہیں
ایکٹر یہ نہیں عبرت کی یہ تصویریں ہیں (۱۱)

اس مسدس بند میں انگریزی لفظ Officer سے افسر موجود ہے اس کے علاوہ سین (Seen) اس کے علاوہ ایکٹر (Actor)، اسٹیج (Stage) انگریزی زبان کے الفاظ ہیں یہ تمام الفاظ تھیٹر سے متعلق ہیں سین، (منظر)، ایکٹر (اداکارہ)، اسٹیج۔ اس کے علاوہ ان مصروں میں:

ع دوستو کیا تمہیں سچ مچ تھا تھیٹر کا یقین (۱۲)

ع یہ قومی مرثیے، یہ وعظ، یہ اسپیچ، یہ لکچر (۱۳)

ان مندرجہ بالا مصرعوں میں تھیٹر (Theater)، اسپیچ (Speech)، لکچر (Lecture) انگریزی کے الفاظ ہیں جو عام طور سے استعمال کئے جاتے تھے۔

نظم ''لیگ کی دائم المرض کی علت'' کے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے۔

ع حضرتِ لیگ نے اب کی سرِ ممبر یہ کہا[۱۴]

ع کہ بس اب سلفِ گورنمنٹ کی طیاری ہے[۱۵]

ع اگلی اسکیم سے جو کچھ کہ رہا ہے باقی[۱۶]

ممبر (Member)، سیلف گورنمنٹ (Selfgoverment)، اسکیم (Scheam) انگریزی زبان کے الفاظ ہیں۔ نظم ''لیگ'' (مع سوٹ ابل) کے چند مصرعے پیش ہیں۔

ع کیجئے سیلف گورنمنٹ کا مقصد حاصل[۱۷]

ع شرط یہ بھی لو لگا دی تھی کہ ہو سوٹ ایبل[۱۸]

ان مصرعوں میں سیلف گورنمنٹ (Selfgovernment)، سوٹ ایبل (Suitable) ہیں۔

ان کے علاوہ لیڈر (Leader)، کالج (College) اسٹیج (Stage)، اسکیم (Scheme) آنریبل (Honorable)، ڈیپوٹیشن (Deputation)، فونڈیشن (Foundation)، کمیٹی (Committee) وغیرہ عام طور سے استعمال ہوتے ہیں۔

نادرؔ کاکوروی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ نادرؔ کاکوروی، منشی درگاسہائے سرور جہاں آبادی سے بقول ڈاکٹر بیلی ''انگریزی بہت اچھی جانتے تھے۔''[۱۹] دراصل یہ دونوں شعراء آزادؔ اور حالیؔ کی نیچرل شاعری، کو آگے بڑھا رہے تھے۔ نادرؔ اور سرورؔ، حالیؔ اور اقبالؔ کی ''درمیانی کڑی''[۲۰] بن کر سامنے آئیں۔ نادرؔ نے بہت سے انگریزی شعراء کی نظموں کے تراجم بھی کئے۔ انہوں نے ''ٹامس مور'' کی ایک طویل نظم ''لالہ رخ'' کے ایک حصے ''لائٹ آف دی حرم'' کا ترجمہ مثنوی کی ہیئت میں کیا ہے اور دیگر۔ انگریزی نظموں کے علاحدہ تراجم شامل ہیں۔

ان نظموں سے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے جس میں انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہیں مثلاً

ع رہ گئیں اب ریمارک کرنے کو[۲۱]

ریمارک (Remark)

ع جا تراٹیگس کی گنگا و جمن کو چھوڑ کر[۲۲]

''ٹیگس'' (Tagus) دریا ہے جو اسپین اور پرتگال میں بہتا ہے۔

ع دیکھ یہ سکے، دیکھ یہ ساوَرن[۲۳]

ساوَرن (Severeign) شلنگ کا طلائی سکہ (انگلستان)

ع رسے کو پکڑے ٹائم پیس اپنی دیکھتا تھا(۲۴)

ٹائم پیس (Timepiece)

بیسویں صدی کے آغاز میں جدید شعرائے اردو نے انگریزی زبان و ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ بعض شعرا انگلستان کی سرزمین اور ان کے تعلیمی ادارے سے فارغ التحصیل بھی تھے اور کچھ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے وہاں کا رخ کیا۔ جن میں تصدق حسین خالدؔ، علامہ اقبالؔ، ن۔م۔راشد، وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

انگریزی زبان وادب سے ہمارے جدید شعرا نے فنی تکنیک، ان کی شعری ہیئتیں مع مزاج اور اصول و قواعد کو بھی جدید اردو نظم کے دامن میں ڈال رہے تھے۔ انگریزی ادب کے زیرِ مطالعہ بہت سی انگریزی ادب کی شعری اصناف اردو ادب میں داخل ہوئیں مثلاً۔ ''آزاد نظم اور نظم معرّا'' اردو میں رچ بس گئیں اور اردو ہی کی ہو گئیں۔ جب کہ کچھ شعری ہیئتیں محدود ہو گئیں اور قبولِ عام کی حیثیت اختیار نہ کر سکیں۔ سانیٹ، کینٹو، بیلیڈ، لمرک، اسٹنزا (Stanza)، ایلجی، بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

بلینک ورس (Blank Verse) نے اردو شاعری میں مروج ردیف و قافیے کی پابندی کی زنجیر کو توڑی، قافیہ کی موجودگییقینا شاعری میں ردھم پیدا کرنے میں شاعر کا معاون ہوتا ہے لیکن شاعر اس کا سہارا لیے بغیر بھی اپنی شاعری میں غنائیت کے عنصر کو قائم رکھ سکتا ہے۔ جدید شعرائے اردو مغربی صنفِ سخن (Blank Verse) یا نظم معرّا کی ہئیت کا تجربہ اردو میں کرنے سے کسی حد تک اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔

مغربی شعری صنفِ سخن آزاد نظم یا Free Verse کی ہیئت کا جب جدید اردو شعرا نے تجربہ کیا تو یہ تجربہ دراصل نظم معرا سے آگے کی طرف بڑھتا ہوا ایک اور قدم تھا۔ نظمِ آزاد نے مصرعوں کا یاک نیا تصور دیا۔ جس میں شاعر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے بھرتی کے الفاظ سے بڑی حد تک آزاد ہو گیا اور اپنی مرضی سے مصرعوں میں ارکان کم اور زیادہ کرنے لگا۔ نظم میں "خیال" کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ جدید اردو نظم میں خیالات و موضوعات اور نظریات کے اظہار میں وسعت پیدا کیں۔

Prose Poem یا نثری نظم کی ہیئت نے شعرا کو ہر طرح سے آزاد کر دیا لیکن اپنے داخلی آہنگ کی شرط عائد کر دی۔ جس نے خیال اور الفاظ کے درمیان ربط، تسلسل کو قائم رکھا۔

ان کے علاوہ مغربی اصناف میں سانیٹ، کینٹو، بیلڈ، اسٹنزا یا استانزاں، ایلجی، لمرک وغیرہ اپنے اپنے اصول و قواعد رکھتے ہیں۔ انگریزی زبان و ادب کے اثرات نے جدید اردو نظم میں رنگارنگی پیدا کی جو ایک نئے مزاج کی تشکیل کا باعث بنے۔ تصدق حسین خالدؔ، ن۔م۔راشدؔ، میراجیؔ، فیض احمد فیضؔ اور مصطفی زیدی وغیرہ نے مغربی زبان و ادب کا مطالعہ کیا بلکہ مغربی کلچر سے واقفیت بھی تھی جن کے اثرات ان کے کلام میں جابجا ملتے ہیں۔ ''گرپ سٹریٹ کی کہانی''، ''ویلز کی گاڑی''، ''سینے ٹوریم''، ''ایئر ہوسٹس''، ''مارشل لاء سے مارشل لاء تک''، ''ویٹ نام'' وغیرہ یہ مصطفی زیدہ کی نظموں کے نام ہیں۔ یہ صرف انگریزی زبان کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اپنے ساتھ اپنا کلچر، معنی، تصور بھی ساتھ لائیں ہیں۔

اردو زبان جو مخلوط زبان ہے اس میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی جیسی عالمی زبانوں کے الفاظ شامل ہو کر اب اردو کے رنگ میں رنگ چکے ہیں۔ جاپانی و چینی زبانوں کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ جب کہ علاقائی زبانوں جن میں پنجابی، پشتو، سرائیکی، سندھی، بلوچی، ہندکو، کشمیری،ہندیو غیرہ زبانوں کے اثرات سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ ان کے ادبی سرمائے سے اپنے ادبی دامن کو وسیع کرنے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔

جدید اردو نظم کی ابتداء میں فارسی زبان کے اثرات یکسر ختم نہیں ہوگئے تھے لیکن اس کی گہری روایت میں نئے خیالات اور موضوعات کے تحت تبدیلی بتدریج رونما ہو رہی تھی۔ حالیؔ، اسمٰعیل میرٹھیؔ وغیرہ نے عام فہم اور روزمرہ کی زبان اختیار کرنے کی کوشش کی۔ آزادؔ اور شبلیؔ نعمانی کی نظموں میں فارسی زبان کے اثرات کے تحت ان کا اسلوب نہایت سادہ نہیں۔

آئے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تُو
عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تُو
آمد کی تیری شان تو زیب رقم کروں
پر اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں (۲۵)

شبِ سیاہ، آمد، روشنائی، زیب رقم فارسی کے الفاظ ہیں۔ ''لیلائے شب''، لیلیٰ مشہور عربی داستانوی و رومانوی کردار ہے (لیلیٰ مجنوں) یہاں لیلائے شب کالی رات کے معانی دے رہا ہے۔ لیکن رومانی کردار کے ساتھ۔

نظم ''دادِ انصاف'' (آزادؔ)

تھا دل آشفتہ، جو شب گردشِ ایام سے میں
ہو کے بے خواب اٹھا بستر آرام سے میں
دل تھا حق تلفیوں سے چرخ کی بیزار مرا
اس کی بیداد سے برہم تھا دلِ زار مرا (۲۶)

آشفتہ، گردشِ ایام، چرخ، دلِ زار وغیرہ فارسی زبان کے الفاظ ہیں۔
شبلیؔ کی نظم ''ہجرت نبویؐ''

جب کہ آمادہ خون ہو گئے کفار قریش
لا جرم سرورِ عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرورؐ (۲۷)

شبلیؔ کی اس نظم کے مصرعوں میں عزمی لا (نہیں) کفار (کفر یا کافر) ا'' آمادہ'' فارسی کے الفاظ ہیں۔ ہماری شاعری میں قرآنی آیات، احادیث شریف وغیرہ کو بھی شاعری میں استعمال کرنے کی روایت موجود ہے جو جدید اردو نظم میں بھی ملتے ہیں۔ یہ روایت وسعتِ فن کے ساتھ قائم ہے۔
مثلاً اکبرؔ الٰہ آبادی:

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
لا اللہ اور قل ھو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
بحث اس کی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ (۲۸)

جلوۂ (فارسی)
ارض و سما (عربی)
نیچر (انگریزی)
قل ھو اللہ (قرآن سے / آیات)
لا اللہ یہ اشارہ ہے کلمہ طیبہ لَا اَلٰہ اِلاَّ اللہ کی طرف

حالیؔ کی نظم ''برکھارت'' سے یہ مصرعے ملاحظہ کیجیے:

مسجد میں ہے ورد اہل تقویٰ
یارب لنا ولا علینا (۲۹)

گویا اس عہد کی شاعری میں عربی، فارسی، ہندی، انگریزی کے الفاظ جابجا ملتے ہیں اس کے علاوہ بھی مثلاً حالیؔ کے یہ مصرعے ملاحظہ کیجیے:

مظلوم کتنے تیرے سہارے
''ایلی''ہی ''ایلی'' کہتے سدھارے (۳۰)

''ایلی'' غالباً عبرانی زبان کا لفظ ہے بمعنی اللہ۔ حضرت عیسیٰؑ نے مصلوب ہوتے وقت خدا کو اسی نام سے پکارا تھا۔

علامہ اقبالؔ کی نظموں میں قرآنی آیات احادیث کی طرف اشارے جابجا ملتے ہیں۔ عربی ،فارسی زبان و ادب سے اردو میں نہ صرف اُن کے الفاظ سے اپنی شاعری میں خوبصورتی پیدا کی بلکہ مثنوی، قصیدہ، رباعی وغیرہ کی اصناف اور ہیئتیں اپنا کر اپنے جذبوں کے اظہار کو نت نئی صورتیں بھی عطا کی:

رہے گا تُو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لَا شریک لَہٗ (۳۱)

جدید اردو نظم میں شعرا مثنوی کی ہیئت میں روایتی مضامین حسن و عشق کے بجائے معاشرتی اور ہر طرح کے خیالات و مضامین باندھنے لگے، قصیدہ صرف بادشاہوں، امراؤں نوابوں وغیرہ کی شان میں پڑھنے تک محدود نہیں رہا بلکہ عالم، ادیب و شاعر، وطن وغیرہ کی بھی تعریف و توصیفکی جانے لگی۔

مرثیہ صرف واقعہ کربلا تک نہیں رہا بلکہ حالیؔ نے غالبؔ کا مرثیہ لکھا تو اقبالؔ نے داغؔ، حالیؔ کے وغیرہ۔ جدید اردو نظم میں ن۔م۔راشد اور میراجی دو ایسے مینار کے طور پر سامنے آئے جن کے سائے تلے کئی شعرا دیر تک بیٹھے رہے اور اپنے لیے راہ تلاش کرتے رہے۔

ن۔م۔راشد نے یورپ اور پھر ایران میں کافی وقت گزارا۔ انگریزی زبان و ادب سے واقفیت کی بنا پر اپنے خیالات و نظریات کو عالمی سطح کی اپچ دینے میں کامیاب ہوئے۔ مغربی استعماریت، معاشرے کی انحطاطی کیفیات کو راشد نے اساطیری اسلوب کے پیرہن میں اور مغرب کی سیاسی چالوں کو

بھی پیش کیا۔ راشد کی نظموں کی زبان پر جدید فارسی کا گہرا اثر ہے۔ راشدؔ کی نظم "زنجیر" کے یہ چند مصرعے ملاحظہ کیجئے۔

گوشۂ زنجیر میں
اک نئی جنبش ہویدا ہو چلی
سنگِ خارا ہی سہی خارِ مغیلاں ہی سہی
دشمنِ جاں، دشمنِ جاں ہی سہی
دوست سے دست و گریباں ہی سہی
یہ بھی تو شبنم نہیں
یہ بھی تو مخمل نہیں، دیبا نہیں، ریشم نہیں (۳۲)

گوشۂ زنجیر، جنبشِ ہویدا، سنگِ کارا، خار مغیلاں، دشمنِ جاں، دست و گریباں، شبنم، مخمل، ریشم وغیرہ جدید فارسی زبان کے اثرات کی وجہ سے یہ الفاظ شامل ہوئے ہیں۔

راشدؔ نے اسلامی تاریخ سے مختلف کرداروں کو بیسویں صدی کے انحطاطی معاشرے میں اپنی نظموں میں زندہ کیا۔ مثلاً نمرود کی خدائی، سباویراں، ابولہب کی شادی، اسرافیل کی موت، وغیرہ۔ جدید شعراء ن۔م۔ راشد سے زیادہ متاثر ہوئے اور ایک بار پھر جدید فارسی زبان کے اثرات ہلکے پھلکے انداز میں شامل ہونے لگے۔

میراجی اپنے عہد میں دیگر شعرا کے اندازِ فکر، مضامین و خیال، زبان و بیان کی رو سے یکسر ایک نئی راہ کے مسافر کے طور پر سامنے آئے۔ میراجی نے ہندی دیومالائی اور ہندی زبان کو ہندوستان کی مٹی سے جوڑ کر پیش کیا مثلاً:

سوامی اپنے دیس سدھارے میں برہا کی ماری
لیکن رادھا بھی جائے گی جہاں گئے گردھاری
صندل کی ہے چتا بنائی اور پھولوں سنواری
سولہ سنگاروں سے سج کر آتی ہے تیری پیاری
یہ ہے پیت کے میٹھے گیت کی درد بھر سنچاری (۳۳)

سوامی، دیس، سدھارے، برہا، رادھا، صندل، چتا، سولہ سنگار، پیت، میٹھے گیت وغیرہ ہندی زبان کے الفاظ ہیں۔

میراجی اپنے خیالات اور فکر میں، اپنے مزاج اور طبیعت میں اردو شاعری کی روایت سے متاثر یا اس سے کسبِ فیض حاصل نہیں کیا۔ راشدؔ نے عالمی سطح پر نظر رکھی اور اپنے جذبات کے آہن کو بلند کیا جس کے اثرات دیگر شعرا پر بھی ملتے ہیں۔ جب کہ میراجی اندرونی کیفیات اور طبیعت کی وجہ سے دیومالائی اور ہندی زبان کی طرف فطری اور اُن کے مطالعہ کا پس منظر میراجی کا سا نہیں تھا۔ جس کی وجہ ان کے اثرات وسیع پیمانے پر مرتب نہیں ہوئے۔

راشد نے جدید اردو نظم پر جدید فارسی کے اثرات اور میراجی نے ہندی زبان کے اثرات مرتب کئے۔ آزاد نظم کی ہیئت میں زیادہ نظمیں لکھی جو مغرب سے مستعار ہے مشرق اور مغرب کا یہ امتزاج جس سے جدید اردو نظم میں ایک نیا رنگ سامنے آیا۔ گیت کا تعلق سنسکرت سے ہے۔

دوہے، کتھا، لوری وغیرہ ہندی زبان وادب کے اثرات کے تحت اردو میں داخل ہوئے۔ بعد کے شعرا میں ہندی زبان کا اثر خاصا ہے۔ عظمت اللہ خان، ابنِ انشاء کی نظموں میں ہندی زبان و ادب کے اثرات بہت واضح ہیں مثلاً :

سانجھ سمے اک مست کوئیوں گیت سنو ہر گاتا جائے
پل پل بڑھتے اندھکار میں دھیان کے دیپ جلاتا جائے
اک سم ستم سے لاکھ جھروکے درشن کے کھلواتا جائے
سارے جگ کا روپ سمیٹے ، جھولی پھر پھیلاتا جائے
اکتارے کا میگھ دوت تانوں کا مینہ برساتا جائے
چنچلتا ، مسکان ، مدھرتا ، کیا کیا پھول کھلاتا جائے (۳۴)

اس نظم میں سانجھ سمے، مست، منوہر، اندھکار، دھیان، دیپ، جھروکے، درشن، جگ، روپ، جھولی، اکتارے، میگھ، مینہ، مسکان، مدھر وغیرہ ہندی زبان کے الفاظ ہیں اور ایسی بہت سی نظمیں ہیں جن میں انگریزی، عربی، فارسی، ہندی اور پنجابی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔

ہندی زبان کے اثرات یقیناً جدید اردو نظم پر مرتب ہوئے اور بہت سے شعرا اپنی نظموں میں نیا لب ولہجہ عطا کرنے کے لیے ہندی زبان کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ابنِ انشا نے ہندی الفاظ

سے اپنی نظموں کو محبت کا رسیلا لب و لہجہ بھی عطا کیا۔ جس کی وجہ سے ان کی نظمیں کی رومانوی فضا کی علاحدہ تاثر دینے میں کامیاب نظر آتی ہیں۔

عظمت اللہ خاں نے اردو شاعری کے لیے پنگل (ہندی عروض) تجویز کی اور اپنی نظموں میں اس کا عملی ثبوت بھی دیا۔ ان نظموں کی زبان ہندوستان کی زبان یعنی ہندی زبان سے مزین ہے انگریزی، عربی، فارسی، وغیرہ کے الفاظ چونکہ اردو زبان اور روزمرہ کی زندگی میں عام ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس کے اثرات سے مکمل طور پر دامن بچانا مشکل ہے لیکن ہندی زبان کا چلن ایک مرتبہ پھر کچھ شعرا کے یاں خصوصی طور سے اُن کی شاعری کا حصہ بن گیا۔

عظمت اللہ خاں کی یہ نظم ملاحظہ کیجیے:

برکھارت کی گھٹا چھائی ہے
بالوں کو کھولے رات آئی ہے
اندھیاری میں گہرائی ہے
چھڑی لگی ہے ہلکی ہلکی
جانوروں نے لیا بسیرا
تاریکی نے جگ کو گھیرا
چھا گیا گھٹاٹوپ اندھیرا
ہاں کبھی ہنس پڑتی ہے بجلی (۳۵)

برکھارت، گھٹا، اندھیاری، جھڑی، بسیرا، جگ، گھٹاٹوپ، وغیرہ ہندی زبان کے اثرات نمایاں ہیں۔ دیگر شعرا میں قیوم، نظر، منیر نیازی، یوسف ظفر، حمایت علی شاعر، جمیل الدین عالی، سحر انصاری، سرشار صدیقی، احمد ندیم قاسمی، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، وغیرہ کے کلام میں انگریزی، فارسی، عربی، ہندی، سندھی، پنجابی، سرائیکی، پشتو، بلوچی زبان وغیرہ کے اثرات اپنی کمی بیشی کے ساتھ موجود ہیں۔ ان مختلف زبانوں کے ادب سے ان کی شعری ہیئتوں کو خوبصورتی سے برتنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ ان شعری ہیئتوں کو میں نظم معرا، آزاد نظم، سانیٹ، دوہے، گیت، اسٹنزا اں، کافی، ہائیکو، ٹپے، ماہیا، وغیرہ۔

اقبالؔ، جوشؔ، فیضؔ، اختر شیرانیؔ کے شعری آہنگ یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً:

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غم دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہو
جراتؔ آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو(۳۶)

زیاں کار، سود فراموش، فکر فردا، محوِ غم دوش، نالہ، ہمہ تن گوش، گل، جرأت آموز، تابِ سخن، خاکم بدہن، وغیرہ فارسی کے الفاظ ہیں۔

"لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ"

خودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ
خودی کا تیغ فساں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ(۳۷)

اس میں قرآنی آیات شامل کیا ہے ابراہیم، صنم کدہ تلمیح ہے۔ جو اسلاف تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ "ذاکر سے خطاب"

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت! ہوشیار
مردِ حق اندیشہ، اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار
لَا فتیٰ اِلَّا عَلیؓ، لَا سیف الا ذوالفقار
جو حسینی ہے، کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساونت مر سکتا نہیں(۳۸)

اس میں بہت پُرپیچ یا فارسی زدہ بند نہیں ہیں جوش نے عربی کا ٹکڑا بھی شامل کیا ہے۔

موری ارج سُنو (نذرِ خسرو)

"موری ارج سنو دست گیر پیر"
"مائی ری، کہوں کا سے میں

اپنے جیا کی پیر"

نیا باندھورے

باندھورے کنارِ دریا

مورے مندر اب کیوں نہیں آ کئے (۳۹)

فیضؔ کی نظم "موری ارج سنو" کے یہ چند مصروں میں ہندی زبان اور اس کے لب و لہجے کی بازگشت بہت واضح محسوس ہو رہی ہے۔ نظم "منظر" کے یہ چند مصرعے نقل کئے جا رہے ہیں:

رہ گزر، سائے، شجر، منزل و در، حلقہ بام

جس طرح کھولے کوئی بند قبا، آہستہ

حلقہ بام تلے، سایوں کا ٹھہرا ہو نیل

نیل کی جھیل

جھیل میں چپکے سے تیرا، کسی پتے کا حباب

ایک پل تیرا، چلا، پھوٹ گیا، آہستہ

بہت آہستہ، بہت ہلکا، خنک رنگ شراب (۴۰)

نظم مکمل نقل نہیں کی گئی ہے چونکہ فیضؔ کی شعری زبان پر نظر ثانی مقصود ہے۔ سائے، شجر، در، بام، مہتاب، قبا، جھیل، حباب، خنک رنگ وغیرہ جدید فارسی زبان کے الفاظ سے مزین ہے۔ اختر شیرانی کی نظم "جہاں ریحانہ رہتی تھی" کی زبان پر غور کریں تو جدید فارسی زبان سے بے گانہ نظر نہیں آتی۔ مثلاً:

یہی وادی ہے ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

وہ اس وادی کی شہزادی تھی اور شاہانہ رہتی تھی

کنول کا پھول تھی، سنسار سے بیگانہ رہتی تھی

نظر سے دور، مثل نکہت مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی (۴۱)

کنول کا پھول، سنسار، نکت، مستانہ وغیرہ ہندی اور فارسی زبان کے الفاظ ہیں لیکن بہت دقیق نہیں، روزمرہ زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔

جدید اردو نظم میں عالمی و علاقائی زبانوں کے الفاظ جس علمی بصیرت اور جوق در جوق عبدالعزیز خالد کی نظموں میں داخل ہوئے ہیں کسی دوسرے جدید شاعر کے کلام سے مثال دینا مشکل ہے۔ انگریزی، عربی، عبرانی، یونانی، سنسکرت، فارسی، جرمنی اور فرانسیسی وغیرہ زبانوں اور ان کے شعر وادب میں عبدالعزیز خالدؔ نے خاصی دسترس حاصل کر لی تھی۔ ان کے گہرے اثرات خالدؔ کی شاعری میں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

مجموعہ کلام ''سرود رفتہ'' میں عبدالعزیز خالدؔ نے یونان کی شاعرہ ''سیفوؔ'' کی نظموں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جو ۱۹۵۹ء شائع ہوا تھا۔ سیفوؔ کا بنیادی موضوع حسن و عشق تھا اور اس کی شاعری میں تغزل کا رنگ بھی نمایاں تھا۔ اس موضوع پر سیفوؔ کی نظموں کا یونانی ادب میں کوئی جواب نہیں اور خالدؔ نے اس کا ترجمہ ہندی لے میں کیا ہے۔ مثلاً:

شیشے میں پری اترے گی بُت بولے گا
بازیب کی جھنکار ہو پیغام وصال
بے زری گنج شہیداں سے سجاتی ہے دکاں (۴۲)

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں لکھتے ہیں:

''لیکن مواد کے اسالیب خالص یونانی معلوم ہوتے ہیں جو مغربی شاعری کو متاثر کرتے ہیں۔''(۴۳) مثلاً

تین چیزوں سے محبت ہے مجھے
روشنی سے حسن سے اور دھوپ سے
میرے لیے ہے ہُو بہُو ہے ذوقِ محبت
دھوپ کا حسن اور روشن کا جھمکڑا
مدعادل کا جو چتون سے من و عن پالیں
ایکیونانی کو درکار ہے کیا اُس کے سوا
گرتی ہے میری پلکوں سے جو شبنم سرشک
لے جائے غم کے ساتھ اسے بھی نسیم کاش (۴۴)

''دکانِ شیشہ گر'' آٹھ تمثیلوں کا مجموعہ ہے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا جو یونانی دیومالائی مزاج کا حامل ہے۔ خالدؔ نے اس کی وضاحت بھی کی۔ لکھتے ہیں:

"پرومے تھیس نسلِ انسانی کا اولین معلم و محسن۔ طیطانیو رنّی میرونیا آئے پطیس اور پری کلائمینا ا ایشیا کا بیٹا تھا۔۔۔ اپی مے تھیس، اطلس اور مینو طئیس اس کے بھائی تھے۔ طیطان (سورج بنسی) وہ دیو پیکر مخلوق تھی جو تخلیقِ آدم سے پہلے دنیا میں بستی تھی۔"(۴۵)

اور بھی بہت سے کردار ہیں مثلاً زیوس، اشینا، اولمپس، پنڈورا، ہرمس، اپی مے تھئیس، وغیرہ۔ یونانی ادب کے کرداروں اور اُن کے تصورات سے اردو دنیا انجان تھی، اور یہ تمام کردار محض یونانی الفاظ نہیں بلکہ ان کی میتھیالوجی (Methology) سے بھی آگاہی ہوئی ہے۔

اپی مے تھئیس کی زبان سے پنڈورا کے لیے جو الفاظ نکلے ہیں وہ خالد کی قدرتِ زبان و بیان کا نادر نمونہ ہیں۔ مثال کے طور پر:

اپی میتھنیس:

آدمی ہے کہ پری زاد کہ بنتِ مہتاب
ہونٹ شنگرف کہ بیجادہ و گلنار و گلاب
چاکِ محرم سے نمودار خمِ نابِ شباب
جتّی جیّ ہیں بھویں، نین کٹیلے کجرار
ادھ کھلے ادھ مندے رس ریت بھرے
نیندارے آنگ میں انگ ہے یا میان سے باہر تلوار
کس نے کنچن میں بھرا اینچ کے کٹ کا کنچن؟
شاخِ زرّیں ہے ترا نام کہ انگور کی بیل
اے سکو چیلی للت، مدھ بھری البیلی نار
تجھے ریحانہ پکاروں کہ کہوں مرجانہ؟
قدِ رعنا یہ ترے ذوقِ نظر ناز کرے
سرو و شمشاد و سمن کو نظر انداز کرے
حیرت و حسرت و اُمید کا در باز کرے
کیوں فضاؤں میں ہو آوارہ یہیں رہ جاؤ۔"(۴۶)

اگر ان یونانی دیومالائی میتھس کو بیان کر دیا جائے تو یقیناً خالد کی جدید اردو نظم میں ایک نئے طرز کے تصورات کا اندازہ ہو گا جو کیوپڈ سائیکی کی طرح کا ہے۔

"پروم تھئیس کو یونانی دیومالا میں نسل انسانی کا اولین معلم کہا جاتا ہے۔ اس کے تین بھائی اپی مے تھئیس، اطلس اور مینوطیس تھے۔ طیطان قوم نے ان سے معرکہ آرائی کی۔ پروم تھئیس نے زیوس کا ساتھ دیا جو نوع انسانی کا قلع قمع کرنا چاہتا تھا۔ لیکن خاموشی سے وہ اثینا سے معماری، ستارہ شناسی، جہاز رانی اور علم طب و ہندسہ سیکھ رہا تھا تا کہ وہ نوعِ انسانی کو ان علوم کی تعلیم دے زیوس کو اطلاع ملی تو اس نے طے کی کاہ آدمِ خاکی کو یکسر آگ کی نعمت سے محروم کر دیا جائے۔ پروم تھیئس نے زیوس کے اس عزم کی بنا پر سورج دیوتا کی اگنی رتھ سے اپنی مشعل روشن کی اور حضرت انسان کو اس کی آگ حوالے کر دے۔ زیوس آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے مختلف دیوتاؤں کو حکم دیا کہ وہ ایک حسین عورت (پنڈورا) تیار کریں۔ جب وہ تیار ہو گئی تو اس نے اپی مے تھیتس کے پاس ہدیۃً بھیجی۔ لیکن اس نے بھائی کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا زیوس نے اس کے بھائی پروم تھئیس کو کیشیا کے ایک مینار سے باندھ دیا جہاں اس کو ایک عقاب دن بھر نوچتا کھاتا رہتا تھا۔ لیکن مشہور کر دیا کہ وہ چونکہ اثینا پر مائل تھا اور چوری سے اس ہاں گیا تھا اس لیے وہ سزا بھگت رہا ہے۔ اپی مے تھینس نے اپنے بھائی کے ساتھیہ رویہ دیکھا تو فوراً "پنڈورا" سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ شادی ہو گئی۔ لیکن اس نے آتے ہی اس مرتبان کا ڈھکنا کھول دیا جسے پروم تھیس نے اس تاکید کے ساتھ اپنے بھائی کے حوالے کیا تھا کہ اسے ہرگز نہ کھولنا ورنہ دنیا میں قیامت آجائے گی۔ مرتبان کا منہ کھلتے ہی تمام مصائب نے بنی آدم کو گھیر لیا۔ البتہ "فریبِ آرزو" کو پروم تھیئس نے دوسرے آفات کے ساتھ بند کر رکھا تھا وہ بچی رہی تا کہ مایوس انسان کی امیدوں کا شکار بنا کر اس کی مصیبتوں کے بار کو قابل برداشت بنا سکے۔ مظلوم پروم تھیئسیونانی شاعروں کا محبوب موضوع رہا ہے۔ اس کے متعلق یہ تصور رہا ہے کہ وہ انسان کو تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی سعادت بخشا ہے عبدالعزیز خالدؔ کی پہلی تمثیل "حریرِ رگِ محل" اسی افسانے سے متعلق ہے۔"(۴۷)

عبدالعزیز خالدؔ نے یونانی ڈراما بھی منظوم کیا جس میں کئی یونانی کردار متعارف ہوئے مثلاً "پرودیس"، "سلومی"، "یوحنّا" وغیرہ۔

خالد نے اپنے ایک مجموعے کا نام ''فاقلیط'' (۱۹۶۴ء) رکھا ہے یہ نام دراصل انجیل میں محمدؐ کے لیے آیا ہے۔ (۴۸)

''انجیل میں ہے وانا اطلب من الاب فیعلطیکم ''فارقلیط'' اور میں مانگوں گا باپ سے سو وہ تم کو فارقلیط دے گا۔'' (۴۹)

''فارقلیط'' عبرانی زبان میں عربی کے ''احمد'' کا مترادف ہے۔ (۵۰)

عبدالعزیز خالدؔ کا کلام دنیا کی مختلف زبانوں کے الفاظ سے مزین ہے جو اردو کے دیگر شعرا سے موضوعات، خیالات، زبان و بیان، اسلوب، آہنگ، یقیناً علاوہ ہیں۔

نظم معرا اور آزاد نظم کی ہیئت میں خالدؔ کی زیادہ تر نظمیں موجود ہیں۔ اور مختلف اوزان و بحور بھی استعمال کیے جو اردو میں غیر مانوس ہیں۔

عزیز حامد مدنی نے جدید عہد کے مسائل اور افکار کو اپنی نظموں کا موضوع خاص بنایا۔ سائنسی ایجادات کو بطور استعارہ و تشبیہ کے استعمال کیا۔ دراصل اس عہد کی ٹیکنالوجی سے عہد کو بازیافت کیا جا سکتا ہے۔ عزیز حامد مدنی کی شاعری کے مطالعہ کا ایک روخ یہ بھی یہ ہے جدید دور کے صنعتی ماحول کی علامات کو اپنی شاعری میں پرویا۔ یہ الفاظ سائنسی و صنعتی ضرور ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر اس کے اشارے یا لفظ کے تصور کو سمجھا جاتا ہے۔ عزیز حامد مدنی کی نظموں میں انگریزی، فارسی، ہندی، عربی زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں مثلاً:

''ایک پرانی ٹائی کو دیکھ کر''
اے کہن سال زرد روٹائی
تو ہے طوقِ گلوے سودائی
یا ہوئے طائر شکستہ پُر
یونین ہال۔ درسگہ تھیٹر (۵۱)

لفظ ''ٹائی'' انگریزی کلچر سے تعلق رکھتا ہے یعنی لباس کا حصہ جو گلے میں پہنی جاتی ہے۔ کہن، طوقِ گلو، سودائی، طائر، فارسی کے الفاظ ہیں جبکہ یونین ہال (Union Hall)، تھیٹر (Theatre) انگریزی زبان کے الفاظ ہیں۔ مختلف شخصیات پر بھی نظمیں تحریر کی ہیں۔ مثلاً

"سر چارلس چیپلن"، "پروفیسر ٹائن بی کے لیکچر کے بعد"، "برٹرینڈرسل"، "پروفیسر جولین ہکسلے"، "ڈزنی لینڈ (لاس اینجلز)"، "پکاسو کا کبوتر" وغیرہ، مدنیؔ نے ان پر نظم لکھ کر اردو نظم میں عالمی شخصیات اور ان کے شب وروز، ان کا کام، ان سب کے لیے ایک باب واں کیا ہے۔

ان تمام شعراء نے اپنے بعد آنے والے شاعروں کے لیے محض کسی ایک دائرے میں رہ کر شاعری کرنے کے بر عکس اُن تمام حدود کو تقریباً ختم کرنے کی کوشش کی جس سے علم وہنر اور فکر وخیال میں رُکاوٹ پیدا ہو۔ بعد کے جدید شعرا نے اپنی نظموں کے لیے عالمی ادب کے مطالعے کے ساتھ زبان و بیان کو بھی گلوبلائزڈ کرنے کی کاوش جاری رکھی۔ فارسی زبان ہو یا انگریزی زبان، فرانسیسی زبان ہو یا جرمنی زبان، جاپانی زبان ہو کہ چینی زبان ان سے استفادہ کرنے کو اہم تصور کیا۔ ان کی نگاہیں صرف عالمی زبان و ادب پر جمی نہیں رہی بلکہ علاقائی زبان کے الفاظ بھی مفہوم کی اصل کو بیان کرنے کے لیے استعمال کرنے لگے۔ سحر انصاری کی نظم "خدا سے بات کرتے ہیں" کے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے:

نظر کے سامنے تاریخ بابلِ خوں چکاں آئی
شہیدوں کی زباں میں داستاں در داستاں آئی
یہیں غرور نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی
یہیں فرزندِ آذر نے
دہکتی آگ کو گلزار کا مژدہ سنایا تھا
حمورابی، نبوکدنصر تھے آئین ساز اس کے
چھپے ہیں اس زمیں میں ریزہ ریزہ سارے راز اس کے
مقدار اس زمیں کا وقف نیرنگِ زمانہ ہے
فراتِ اشک میں، یا دجلۂ خوں میں نہانا ہے۔ (۵۲)

آزادؔ نظم کی ہیئت میں ہے اس میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ جن کی تفصیل یقیناً مختلف معاشروں، اور تاریخ سے تعلق رکھی ہے۔ مثلاً:

تاریخ بابل، ملک عراق کا پرانا نام بابل ہے اور اردو والے غلطی سے "بابُل" تلفظ کرتے ہیں جس کے معنی "باپ" کے ہیں۔ ابراہیم، نمرود، گلزار، فرزند آزر جیسے کردار اسلامی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ کے دور سے پہلے "حمورابی" عراق کا بادشاہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے

زمینی قانون دیا۔ ''بنوکد نصر'' یہ بادشاہ تھا جس ''عراق'' یا قدیم نام ''بابل'' کے تباہ وبرباد ہو جانے کے بعد اس کی از سرِ نو تعمیر کی تھی۔ ''فرات، دجلہ'' کے دو دریاؤں کے نام ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی نظم ''بانجھ'' کے چند مصرعے پیش ہیں:

چھتوں، منڈیروں اور پیڑوں پر
ڈھلتی دھوپ کے اجلے کپڑے سوکھ رہے تھے
بادل، سُرخ سی جھالر والے بانکے بادل
ہنستے، چہکتے پھولوں کا اک گلدستہ تھے
ہر شے کندن روپ میں ڈھل کر دمک رہی تھی
گالوں پر سونے کی ڈلک اور آنکھوں میں اک تیز چمک تھی
سارا منظر کیف کے اک لمحے میں بے بس
لذت کی بانہوں میں جکڑا ہمک رہا تھا! (۵۳)

منڈیر، پیڑ، بانکے، کندن ہندی زبان کے الفاظ ہیں۔ گلدستہ، کیف، فارسی کے ہیں۔

جدید اردو نظم میں شعرا نے ہائیکو کا تجربہ کیا تو اس کے مزاج اور فنی تقاضے کو پورا کرنا ضروری تھا اور اس میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کریں کہ منظر کشی کا عنصر قائم رہے جدید اردو نظم میں کیڑے مکوڑوں کو بطورِ علامات پیش کیا جانے لگا۔ پہاڑ، وادی، مینڈک، جھینگر، مکھی، تتلی، تالاب، پھول، کانٹے، بنفشہ پھول، چڑیا پودا، جنگل، جھرنا اور موسم وغیرہ کی مدد سے ایک نیا رنگِ سخن قائم کرنے کی سعی کی۔ مثلاً:

زخم لگا تازہ
میری دستک بھول گیا
تیرا دروازہ (۵۴)

(جاذب قریشی)

''انتظار''

رت برکھا کی ہے
شاخ کے سونے بستر پر
کونپل جاگی ہے (۵۵)

(سحر انصاری)

غم سے مہکے جاؤں گا
خالی شیشیاں جیسے، عطر کی مہکتی ہیں
چور چور ہونے تک[۵۶]

(پیرزادہ قاسم)

چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں[۵۷]

تین مصرعوں پر مشتمل کئی اصناف مثلاً ہائیکو، ماہیے، ثلاثی، مثلث، وغیرہ ہیہ تمام عالمی اور علاقائی زبانوں کے اثرات کی وجہ سے اضافے کا باعث بنی۔

# حوالہ جات


۱۔ اکبر الٰہ آبادی، ''کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی''، س۔ن، فرینڈز پبلشرز، کراچی، ص ۱۶۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۵۔ یضاً، ص ۱۷۷

۶۔ یضاً، ص ۱۷۹

۷۔ حالی، الطاف حسین، ''کلیاتِ نظمِ حالی''(جلد دوم)، مرتب: افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، جنوری ۱۹۷۰ء، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ص ۴۰۶

۸۔ ایضاً، ص ۴۲۶

۹۔ ایضاً، ص ۴۳۲

۱۰۔ آزاد، محمد حسین، ''نظمِ آزاد''، س۔ن، شیخ مبارک علی تاجر کتب، لاہور، ص ۱۵۰

۱۱۔ شبلی، نعمانی، ''کلیاتِ شبلی نعمانی''، مرتب: سلیمان ندوی، سید، ۱۹۸۵ء، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۵۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۴۔ ایضاً، ص ۶۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۱۷۔ یضاً، ص ۱۱۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۹۔ نادر کاکوروی، ''جذباتِ ناد''، ۱۹۶۱ء، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۳

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۲۵۔ آزاد، محمد حسین، ''نظمِ آزاد''، شیخ مبارک علی تاجر کتب، لاہور، س ن، ص ۳۲

۲۶۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۷۔ شبلی، نعمانی، ''کلیاتِ شبلی نعمانی''، مرتب: سلیمان ندوی، سید، ۱۹۸۵ء، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۶۵

۲۸۔ اکبر الٰہ آبادی، ''کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی''، س۔ن، فرینڈز پبلشرز، کراچی، ص ۱۷۱

۲۹۔ حالی، الطاف حسین، ''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد دوم)، مرتب: افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، جنوری ۱۹۷۰ء، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ص ۳۷۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۴۴۰

۳۱۔ اقبال، علامہ، ''کلیاتِ اقبال''، ۲۰۰۴ء، دی کولیکشنز، کراچی، ص ۱۷۴

۳۲۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، س۔ن، ماورا پبلشرز، لاہور، ص ۱۴۳

۳۳۔ میراجی، ''کلیاتِ میراجی''، مرتب: جمیل جالبی، ڈاکٹر، ۱۹۹۶ء، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۳۵۳

۳۴۔ ابنِ انشاء، ''اس بستی کے اک کوچے میں''، اگست ۲۰۰۵ء، لاہور اکیڈمی، لاہور، ص ۳۲

۳۵۔ عظمت، عظمت اللہ خان، ''سریلے بول''، ۱۹۴۰ء، عظمت زبیدہ بیگم، حیدرآباد دکن، ص ۱۸۶

۳۶۔ اقبال، علامہ، ''کلیاتِ اقبال''، ۲۰۰۴ء، دی کولیکشنز، کراچی، ص ۱۲۶

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۵

۳۸۔ جوش ملیح آبادی، ''شعلہ و شبنم''، ۱۹۳۶ء، کتب خانہ تاج آفس، محمد علی روڈ، بمبئی، ص ۱۸۵

۳۹۔ فیض احمد فیض، ''نسخہ ہائے وفا''، س۔ن، مکتبۂ کارواں، لاہور، ص ۵۳۳

۴۰۔ ایضاً، ص ۳۶۸

۴۱۔ اختر، شیرانی، ''کلیاتِ اختر شیرانی''، مرتب: یونس حسنی، ڈاکٹر، ۱۹۹۳ء، ندیم بک ہاؤس، ص ۲۱۰

۴۲۔ مشمولہ، ماہنامہ ''سیارہ''، مئی ۱۹۶۹ء، عبدالعزیز خالد نمبر، ص ۱۰۹

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۴۵۔ خالد، عبدالعزیز، ''دکانِ شیشہ گر''، جون ۱۹۶۵ء، بک لینڈ، ص ۹

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۸۔۸۹
۴۷۔ مشمولہ، ماہنامہ ''سیارہ''، مئی ۱۹۶۹ء، عبدالعزیز خالد نمبر، ص ۱۱۴
۴۸۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۴۹۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۵۰۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۵۱۔ مدنی، عزیز حامد، ''نخلِ گماں''، جنوری، ۱۹۸۳ء، مکتبۂ دانیال، کراچی، ص ۱۷
۵۲۔ سحر انصاری، ''خدا سے بات کرتے ہیں''، جون، ۲۰۰۵ء، اکادمی بازیافت، ص ۳۷
۵۳۔ آغا ذوالفقار خان، ''البم نظمیں''، س۔ن، ص ۵۰۵
۵۴۔ یونس حسنی، ڈاکٹر، ''اردو میں ہائیکو (مستقبل اور امکانات)''، ۱۹۹۴ء، رباب پبلی کیشنز، ص ۷۷
۵۵۔ ایضاً، ص ۷۷
۵۶۔ ایضاً، ص ۶۸
۵۷۔ حیدر قریشی، ''غزلیں، نظمیں، ماہیے''، ۱۹۹۸ء، سرور ادبی اکادمی، جرمنی، ص ۳۲۵